مؤمن کون ہے

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ
بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ
فَضْلًا كَبِيرًا

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

مومن کون ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلی کیشنز

365–M, Model Town, Lahore, Pakistan
Ph. (+92–42) 111 140 140, 3516 5338 Fax. (+92–42) 3516 3354
www.minhaj.biz mqi.salespk@gmail.com
www.facebook.com/TahirulQadri

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مومن کون ہے؟
خطاب	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	شیخ الحدیث مولانا محمد معراج الاسلام
پروف ریڈنگ	:	حافظ عبد الرشید
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت نمبر 1	:	اگست 1989ء (2,000)
اِشاعت نمبر 2	:	فروری 1990ء (2,000)
اِشاعت نمبر 3 تا 10	:	اپریل 1991ء تا مئی 2008ء (8,800)
اِشاعت نمبر 11	:	مئی 2009ء (1,100)
اِشاعت نمبر 12	:	مارچ 2010ء (1,100)
اِشاعت نمبر 13	:	نومبر 2012ء (2,400)
قیمت	:	25/- روپے

ISBN 969-32-0594-4

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے کیسٹس اور CDs و DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷، مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرس

عنوانات	صفحہ
✪ اِبتدائیہ	۷
✪ حضور نبی اکرم ﷺ کی چھ شانیں	۱۱
۱۔ شانِ نبوت	۱۲
۲۔ شانِ شاہدیت	۱۵
۳۔ شانِ مبشریت	۱۷
۴۔ شانِ نذیریت	۱۸
۵۔ شانِ داعی اِلی اللہ	۱۸
۶۔ شانِ سراج منیر	۲۴

اِبتدائیہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری خطابت کے شہنشاہ، زبان و بیان کے شہر یار کج کلاہ، نام ورشیوہ بیان خطیب اور فکر انگیز علمی و تحقیقی اور اچھوتے موضوعات پر بے تکان بولنے اور اِظہارِ خیال کرنے والے اِس پندرہویں صدی ہجری کے وہ واحد انسان ہیں جن کے زورِ بیان، اُسلوبِ خطابت اور اَندازِ تفہیم نے ایک عالَم کو ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ قدرت نے انہیں حسنِ خطاب کا ایسا نایاب ملکہ اور بیش بہا جوہر عطا کیا ہے کہ ان کی زبان پر آ کر مشکل ترین موضوع اور کوئی پیچیدہ علمی مسئلہ بھی ایک مترنم آب شار کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور سامعین کے ذہن میں اِس طرح اتر جاتا ہے جیسے اس سے آسان اور کوئی بات ہی نہ ہو۔ اس خصوصیت نے ان کا حلقۂ سامعین بہت وسیع کر دیا ہے اور ملک بلکہ بیرونِ ملک کی مقبول ترین شخصیت بنا دیا ہے۔ اب آپ بین الاقوامی سطح کے مفکر اور مسلّمہ عالم ہیں جنہیں انتہائی شوق، اِنہماک، دل چسپی اور توجہ کے ساتھ وقت نکال کر سنا اور پڑھا جاتا ہے اور ایمان اور روح کی تازگی کا سامان کیا جاتا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کے سامعین میں بچے، بوڑھے، خواتین، نوجوان، تعلیم یافتہ، اَن پڑھ، ڈاکٹر، وکیل، علماء، انجینئر، غرض ہر سطح اور درجے کے لوگ شامل ہیں اور آپ کے حسنِ بیان سے یکساں محظوظ ہوتے ہیں۔ خطاب کے دوران جیسے سب پر بے خودی کا عالم ہو جاتا ہے۔ سامعین آپ کو ڈوب کر سنتے ہیں اور دل و دماغ پر ایک مثبت اور گہرا اثر لے کر گھروں کو لوٹتے ہیں اور پھر پہروں عالمِ تصور میں اس خطاب کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔

ایک اور کمال یہ ہے کہ آپ کے سامعین کی تعداد موقعہ محل کے اعتبار سے تاریخ ساز اور ریکارڈ توڑ ہوتی ہے۔ لوگ والہانہ انداز میں اس کثرت کے ساتھ شرکت کرتے

اور پھر ذوق و اِنہماک کے ساتھ سنتے اور سر دھنتے ہیں جیسے ان کے لیے یہی ایک کام رہ گیا ہو۔

یہ جو خطاب آپ پڑھنے لگے ہیں، اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اسی نوعیت کا ہے۔ عرس مبارک حضرت داتا صاحبؒ میں اَہلِ دل جس کثرت اور وارفتگی کے ساتھ بھرپور انداز میں شرکت کرتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یہ خطاب اسی موقع پر کیا گیا اور پھر حسین وجمیل مسجد کے وسیع و عریض لان میں ایک جم غفیر نے جس طرح جم کر نہایت توجہ اور دل چسپی سے سنا وہ بھی ایک مثالی اور تاریخ ساز منظر تھا۔ حاضرین و سامعین موضوع کے تنوع، اٹھان، دلائل کی بے ساختگی، گفتگو کی روانی اور فصاحت وبلاغت میں اس طرح کھو گئے کہ اپنی ذات تک کا بھی ہوش نہ رہا اور جب خطاب اختتام کو پہنچا تو سب انگشتِ بدنداں تھے اور کہہ رہے تھے کہ زیبِ موضوع آیت کی جس انداز سے تشریح وتفسیر کی گئی ہے وہ نادر و نایاب اور حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ ایمان افروز بھی ہے اور حسنِ خطاب کا شاہ کار بھی جس نے تاریک دل منور کر دیے ہیں اور حسنِ نبوت کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کا شعور بخشا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ اس عہد آفریں خطاب کو مرتب و مدوّن کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ باری تعالیٰ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور دوسروں کے ساتھ مجھے بھی اس سے محظوظ ہونے اور اس کے مندرجات سے قلب ونظر کی بالیدگی کا سامان کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

طالبِ دعا

محمد معراج الاسلام
منہاج یونی ورسٹی لاہور
۳۶۵-ایم بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ جل مجدہٗ کا فرمان اَقدس ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ○[1]

اور اَہلِ ایمان کو اس بات کی بشارت دے دیں کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے۔ (کہ وہ اس خاتم الانبیاء کی نسبتِ غلامی میں ہیں)○

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی بہت سی نعمتوں میں سے کچھ نعمتیں ایسی بھی ہیں کہ اگر ہم ان کا شکر ادا کرنا چاہیں بھی تو نہیں کرسکتے۔ ان میں سے ایک نعمت اس امتِ مسلمہ میں اولیاء، صلحاء اور علماء حق کا وجودِ مسعود ہے۔ علماء حق اور صلحاء کا وجود خود اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر ان کے جوتوں کی خاک آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لیے مل جائے تو اس سے بڑی سعادت دنیا میں ہے نہ آخرت میں۔ یہ فیوضات ہیں ان اولیاء کاملین کے اور صلحاء مقربین کے جو مختلف پیکروں میں اُمت کے پاس ہر دور میں آتے رہے اور قیامت تک آتے رہیں گے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ اے میرے محبوب! مومنوں کو خوش خبری سنا دو اور بشارت دے دو کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس امر کا تعین کیسے کریں کہ مومن کون ہیں اور ایک انسان مردِ مومن کس طرح بنتا ہے؟ اسے قرآنِ مجید سے سمجھنا ہے اور اسی آیت کے سیاق و سباق سے سمجھنا ہے۔ ویسے تو قرآنِ مجید میں ہزارہا مقامات ہیں جہاں سے انسان ایمان اور مومن کا مفہوم سمجھ سکتا ہے مگر اس موقع پر اِسی مقام کے سیاق و سباق کے حوالے

---

(۱) الأحزاب، ۳۳:۴۷

سے سمجھنا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان الفاظِ مبارکہ سے پہلے جو آیتِ کریمہ وارد کی ہے وہ مومن کا مفہوم متعین کرنے میں کافی اور وافی ہے۔ اس سے پچھلی آیت درحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (۱)

اے نبیِ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوش خبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝ اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے) ۝

یہ اوصاف ہیں نبوتِ مصطفیٰ ﷺ کے جو اللہ رب العزت نے یہاں بیان فرمائے اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی چھ شانوں کو ترتیب کے ساتھ بیک وقت بیان فرمانے کے بعد اب فرمایا:

'اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دیں۔'

مومن اسے کہتے ہیں جو دل سے بھی مانے اور زبان سے بھی مانے؛ جو بہ اَمرِ مجبوری زبان سے تو مانے مگر دل سے نہ مانے وہ مومن نہیں منافق کہلاتا ہے۔ آپ ذرا مومن، منافق اور کافر کا فرق اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ کافر دل سے مانتا ہے نہ زبان سے مانتا ہے؛ منافق زبان سے مانتا ہے لیکن دل سے نہیں مانتا اور مومن زبان سے بھی مانتا ہے اور دل سے بھی مانتا ہے۔ یہ بات بڑی واضح ہے کہ یہاں ایمان باللہ کا ذکر اس آیت کے سیاق میں مفصلاً نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ایمان بالآخرت اور ایمان بالکتب کا بھی

(۱) الاحزاب، ۳۳:۴۵-۴۶

ذکر نہیں۔ اگر ہم یہاں ایمان اور کتب سے مراد وہ شرعی تعریف لیں تو وہ یہاں صادق نہیں آتی کیونکہ اس آیت کے سیاق میں نہ ایمان باللہ کا ذکر ہے اور نہ ہی ایمان بالآخرت، ایمان بالوحی، ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب کا ذکر ہے اور نہ ہی ایمان بالخیر کا ذکر ہے اور نہ ہی ایمان بالشر کا ذکر ہے۔ اس مقام پر نہ اقامتِ صلوۃ کا ذکر ہے نہ ایتاءِ زکوۃ کا ذکر ہے، نہ صومِ رمضان کا ذکر ہے اور نہ حج کا ذکر ہے۔ یہاں تو صرف ایک ہی بات کا ذکر ہے اور اُس کا ذکر ہے جس کے سوا کوئی مقصود ہی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ماننے والوں کو خوش خبری دے دو جو زبان اور دل دونوں سے مانتے ہیں تو سوال پیدا ہوا کہ کس چیز کی خوش خبری۔ قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب تلاش کریں، ہم پہلے یہ طے کرلیں کہ مومن (ماننے والا) کون ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ کی چھ شانیں

اللہ جل مجدہٗ نے مختلف خطوط متعین نہیں ہونے دیے کہ ہم اپنی سمجھ، اپنی فکر اور اپنی رائے سے مختلف خطوط متعین کرتے پھریں۔ اللہ جل مجدہٗ نے ایمان کے لیے، مومن ہونے کے لیے ایک ہی راستہ متعین کر دیا اور مومنین کے بیان سے پہلے ان کی شرائط بیان کر دیں کہ اے محبوب! اپنی اُمت کو بتا دو کہ ہم نے تمہیں چھ شانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ یوں بھی تو بیان کیا جاسکتا تھا کہ ہم نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا اور بس! لیکن ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا: ہم نے آپ کو چھ شانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس لیے ان چھ شانوں کو مانتے ہوئے حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آؤ۔ نبوت پر ایمان لانے کا دعویٰ تو ہر کوئی کرتا ہے مگر نبوت پر ایمان کس شرط پر ہونا چاہیے؟ کن اوصاف کے ساتھ ہونا چاہیے؟ کن تقاضوں کے ساتھ ہونا چاہیے؟ جب تک وہ تقاضے اور شرائط پوری نہ ہوں اور وہ اُوصاف بتمام و کمال پورے نہ کیے جائیں آپ لاکھ بار اپنے آپ کو مومن کہتے جائیں آپ مومن نہیں ہوسکتے۔ قرآنِ حکیم نے ان شرائط اور نبی کی چھ شانوں کا ذکر اس طرح بیان فرمایا ہے:

۱۔ شانِ نبوت

۲۔ شانِ شاہدیت

۳۔ شانِ مبشریت

۴۔ شانِ نذیریت

۵۔ داعی اِلی اللہ

۶۔ شانِ سراجِ منیر

نبوت، شہادت، بشارت، تنذیر اور دعوت اِلی الحق کی پانچ شانیں عطا کی گئیں جب کہ آخری شان سِرَاجًا مُّنِیْرًا کا تعلق اگلی آیت نمبر ۴۷ میں مذکور 'فضلِ کبیر' کے ساتھ ہے۔ گویا مومن وہ ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کو ان پانچ شانوں کے ساتھ مانے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک شان کا بھی منکر ہو جائے اور باقی ساری مانے تو بھی وہ طبقۂ مومنین میں شامل نہیں ہوسکتا ہے اور جب مومنین کے طبقے سے خارج ہے تو اللہ کے فضل کا حق دار بھی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ مومن ہونے کے لیے لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے، ان پانچ تقاضوں اور شرائط کو پورا کرے۔

اب اختصار کے ساتھ ان پانچ شانوں کو بیان کرنا ہے تاکہ مومن کا مفہوم واضح ہو جائے۔

۱۔ شانِ نبوت

ہم یہاں مختصراً اس پہلی شان کا مفہوم جانیں گے کہ نبی وہ ہے جو اُن حقائق کی خبر دے جنہیں کوئی آنکھ دیکھ نہ سکے، کوئی کان سن نہ سکے، کوئی ہاتھ چھو نہ سکے اور جنہیں عقل سمجھ نہ سکے۔ اس لیے کہ نبی کا معنی ہے: 'غیب کی خبریں دینے والا'۔ یہ لفظ نَبَاٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: 'خبر'۔

باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ.[۱]

(اے محبوب!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

وہ خبر جو نبی کے متعلق ہے، جس خبر سے باخبر ہو کر اور جس خبر کا مخبر ہو کر نبی بنتا ہے، اس کا تعلق ہی غیب سے ہے۔ فرمایا: محبوب! ہم نے تمہیں نبی بنا کر بھیجا یعنی ان حقیقتوں کی خبر دینے والا بنا کر بھیجا جن کو کوئی جانتا تھا نہ سمجھتا تھا اور بھیجا اس لیے کہ لوگ مومن بن جائیں اور ماننے لگیں۔ انسان مانتا ہے کسی شے کو دیکھ کر، مانتا ہے کسی شے کے متعلق سن کر یا مانتا ہے کسی شے کو سمجھ کر۔ اے محبوب! تمہیں بھیجا ہے کہ خدا کی خبر دو، ملائکہ کے وجود کی خبر دو، بعثِ قیامت کی خبر دو، بعث بعد الموت کی خبر دو، جنت و دوزخ کی خبر دو، میری قدرت کی خبر دو، میری ذات و صفات کی خبر دو۔ الغرض ان حقیقتوں کی خبر دو جن حقیقتوں کو آج تک سوائے نبی کے کوئی دیکھ سکا نہ سن سکا، نہ کوئی پہچان سکا اور نہ کوئی دلائل عقلیہ سے جان سکا یعنی انسان انہیں سننے اور جاننے سے قاصر تھا۔ پس تم جا کر اتنا کہہ دو کہ 'وہ ہے' اور تیری زبان سے سن کر وہ ایمان لے آئیں۔ تم فقط اتنا اعلان کر دو کہ 'رب ہے' تو وہ لوگ جو دیوار کے پیچھے بیٹھے ہوئے شیر کو بھی دیکھے بغیر نہیں مانتے اور جب تک اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرلیں کچھ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ان سے کہہ دو کہ تم کائنات کی مختلف ذوات اور موجودات کی بات کرتے ہو میں ساری کائنات کے خالق و مالک کی بات کرتا ہوں کہ 'وہ ہے'۔ اب تمہیں سمجھ آئے یا نہ آئے، دیکھو یا نہ دیکھو، پاسکو یا نہ پاسکو، اگر میرے کہنے پر بن دیکھے مان لو گے تو ایمان کی پہلی شرط پوری ہوگی، یہ ایمان بالغیب ہے۔ اور اگر تم یہ شرط لگاؤ کہ مانتے تو ہیں مگر شرط یہ ہے کہ سمجھ میں آجائے، تو کبھی بھی مومن نہیں ہوسکو گے، کیونکہ مومن ہونے کے لیے شرط ہے کہ بن دیکھے مان لیا جائے اور فقط اسی لیے مان لیا جائے کے کملی والے آقا نے کہہ دیا ہے کہ 'وہ

(۱) آل عمران، ۳:۴۴

ہے۔ تو جو آقا ﷺ کے فرمانے پر بن دیکھے مان لے اس نے مومن ہونے کی پہلی شرط پوری کر دی۔

اب جو بات قابلِ توجہ ہے اس ماننے میں وہ یہ ہے کہ میں آپ سے اگر یہ کہوں کہ حضرت علامہ مقصود احمد قادری صاحب بہت بڑے جید عالم ہیں اور آپ نے انہیں نہ کبھی سنا ہو، نہ پڑھا ہو اور نہ دیکھا ہو، ان سے واقفیت بھی نہ ہو۔ آپ پہلی بار ان کی بات میری زبان سے سنیں اور میری بات سن کر آپ مان لیں کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں۔ اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ نے پہلے انہیں مانا یا مجھے؟ اس لیے کہ اگر پہلے مجھے نہ مانتے تو ان کو تو آپ جانتے ہی نہ تھے۔ آپ نے میری زبان سے سنا کہ علامہ مقصود احمد صاحب بہت بڑے عالم ہیں، آپ فوراً ماننے لگے۔ منوانا اُنہی کو مقصود تھا، مگر پہلے کسے مانا؟ پہلے مُخبِر کو مانتے ہیں اور بعد میں مُخبَر عَنۂ کو مانتے ہیں۔ جب تک کہ مُخبِر یعنی خبر دینے والے کو نہ مانا جائے تو جس کی خبر دی جارہی ہو اسے کون مان سکتا ہے؟

فرمایا: محبوب! یہ لوگ سمجھ لیں کہ اگر میری توحید کی معرفت چاہتے ہیں، اگر میری اُلوہیت پر ایمان چاہتے ہیں، میری وحدانیت پر اِعتقاد چاہتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محبوب! مجھے ماننے کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے تمہیں مانیں۔ میرا ماننا تیرے ماننے سے گزر کر آئے گا۔ پہلے تم تک پھر مجھ تک پہنچیں گے۔

دوستو! اس اعتبار سے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: اے محبوب! ہم نے تمہیں خبر دینے والا بنا کر بھیجا ہے، مخبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ پہلے تمہیں مانیں پھر جس کی تو خبر لے کر آیا ہے اس تک پہنچیں۔ تو گویا ایمان کی پہلی شرط یہ ہوئی کہ دہلیزِ رسالت پر پہلے سرِ تسلیم خم کرو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ توحید کی بارگاہ تک، ایمان باللہ تک رسائی پہلے ہوگی اور پھر اس بارگاہ میں آئیں گے، یہ گمان باطل ہے۔ ہم جو ایمان باللہ پہلے کہتے ہیں اور ایمان بالرسالت بعد میں کہتے ہیں تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ بات ہے تو ترتیب مختلف

کیوں نہیں؟ ایمان باللہ پہلے ہے اور ایمان بالرسالت بعد میں ہے۔ تو بات یہ ہے کہ ترتیب میں اختلاف حفظِ مراتب کے لیے ہے، اللہ اونچا ہے اور رسول ﷺ اس کے بعد ہے۔ رہ گیا تقدم اور تاخر کا ذکر تو رسالت پر ایمان مقدم ہے، اللہ پر ایمان موخر ہے۔ اگر آپ کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں بھی اللہ پہلے ہے اور رسول ﷺ کا ذکر بعد میں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی دو جہتیں ہیں: ایک جہت عروجی اور دوسری جہت نزولی ہے۔ ایک جہت یہ ہے کہ جب اللہ کا حکم آسمان سے اترتا ہے اور ایک جہت یہ ہے کہ جب مخلوق سے اللہ کی طرف جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی دونوں جہات یعنی جہتِ عروجی اور جہتِ نزولی کو سامنے رکھ لیں تو اوپر سے ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ جب یہ حکم وہاں سے چلتا ہے تو وہاں رب کی بات پہلے ہے، رسول ﷺ کی بات بعد میں ہے۔ تم رب نہیں ہو، بندے ہو؛ رب اونچا ہے، تم نیچے ہو؛ جب یہاں سے چلو گے تو جو نیچے ہے وہ پہلے آئے گا اور جو اوپر ہے وہ بعد میں آئے گا۔

جب انسان کسی چھت پر چڑھتا ہے تو پہلا قدم پہلی سیڑھی پر پڑتا ہے اور اترتے ہوئے پہلا قدم آخری سیڑھی پر پڑتا ہے۔ مخلوق جب اوپر کی طرف رسائی حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے پہلا قدم دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہاں سے وہ چڑھائی کا آغاز کرے گی۔ یہاں پہلے ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ہوگا اور حفظ مراتب کے لحاظ سے پہلے ذکرِ خدا ہوگا۔

۲۔ شانِ شاہدیت

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ (۱)

بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

شاہد کا لفظ شُھُود سے ہے۔ اس کا معنی ہے:

(۱) الأحزاب، ۳۳:۴۵

اَلْحُضُوْرُ مَعَ الشَّهَادَةِ، إِمَّا بِالْبَصَرِ أَوْ بِالْبَصِيْرَةِ.[1]

جو مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہو چاہے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کی بنا پر ہو یا قلب کی آنکھ (یعنی بصیرت) سے دیکھنے کی بنا پر ہو (اُسے شاہد کہتے ہیں)۔

پس شاہد وہ ہوتا ہے جو باخبر ہو۔ اگر اس کا مرادی معنی 'گواہ' بھی کرلیں تو وہ معنی بھی درست ہے کیونکہ گواہ کبھی بھی بے خبر نہیں ہوتا۔ اگر عدالت میں گواہ چلا جائے، عدالت اسے پوچھے اور وہ کہے کہ مجھے خبر نہیں تو کیا اسے کوئی گواہ مانے گا؟ نہیں۔ عدالت کہے گی: نادان! گواہ بے خبر نہیں ہوتا، گواہ ہمیشہ باخبر ہوتا ہے۔

اگر شاہد کا معنی مشاہدہ کی بنا پر حاضر ہونے والا یا حاضر و ناظر کریں تب بھی درست ہے۔ مقصود یہاں یہ ہے کہ حضور ﷺ باخبر ہیں۔ تو مومن ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شاہدیت پر ایمان رکھے اور جانے کہ میرے اَحوال و اَقوال سے حضور ﷺ باخبر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.[2]

اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ باخبر ہونے کی بناء پر تم پر گواہی دیں گے۔ جو اُمت کے احوال سے بے خبر ہو، وہ نبی اور رسول ہی نہیں ہوسکتا۔ اس شانِ شاہدیت پر اس طرح ایمان لاؤ کہ میرے رسول باخبر ہیں اور صبح و شام میرے احوال سے باخبر ہیں اور میں ہمہ وقت بطورِ اُمتی اپنے نبی ﷺ کی نظر میں ہوں۔ میرے نبی مجھ سے بے خبر نہیں ہیں۔

یہ بات بے شمار دلائل سے ثابت ہے مگر اختصار کے سبب تفصیلات میں نہیں جا رہا۔ اس سلسلے کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کس کا گواہ؟ کس شے کا گواہ؟

---

(۱) راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن: ۲۶۷

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۴۳

باری تعالیٰ اس آیت میں اسی سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ باقی چیزوں کے گواہ تو اور بھی ہوسکتے ہیں مگر یہ خود میری ذات کا، میری ہستی کا گواہ ہے جو میرے حسن کو جاننا چاہے، میرے مصطفیٰ کے حسن کو دیکھ لے، جو میرے علم کا اندازہ کرنا چاہے وہ مصطفوی علم کی وسعتوں کو دیکھ لے، جو میری قدرتوں کا نظارہ کرنا چاہے وہ تصرفاتِ مصطفیٰ کو دیکھ لے، جو میری عظمتوں کو دیکھنا چاہے وہ میرے مصطفیٰ کی عظمتوں کو دیکھ لے۔ گویا میری ہستی پر سب سے بڑی دلالتِ تامہ میرا نبی ہے۔ اسے اپنی ذات پر گواہِ مطلق بنا کر بھیجا ہے، جو اسے دیکھ لے جانے کہ میں نے رب کو دیکھ لیا ہے۔ اس شانِ شاہدیت پر ایمان لائے اور یہ خیال رکھے کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بے شک گواہ تھے مگر ان کی شہادتیں زمانی اور مکانی تھیں۔ جس طرح نبوتِ مصطفوی زماں و مکان کی حدود سے ماوراء ہے اسی طرح شہادتِ مصطفوی بھی کائنات میں ازل سے ابد تک سب زمانوں پر حاوی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝[1]

پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے ۝

ہر نبی فقط اپنی امت پر گواہ ہوگا مگر یہ آخری نبی ازل سے ابد تک ساری کائنات کے لیے سب امتوں پر گواہ ہوں گے۔ یہ حضور ﷺ کی شانِ شاہدیت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۳۔ شانِ مبشریت

تیسری شان مُبَشِّرًا ہے یعنی آپ ﷺ کو خوش خبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا

(۱) النساء، ۴:۴۱

ہے۔ مبشر وہ ہوتا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ یہ اچھا کام ہے، کرو گے تو بخشے جاؤ گے۔ مبشر اُمت کو خوش خبری سناتا ہے کہ نیکی و اِحسان کرو گے تو مالک کی رضا حاصل ہوگی اور اس کے قرب کی جنتیں نصیب ہوں گی، اس کا دیدار حاصل ہوگا۔

۴۔ شانِ نذیریت

چوتھی شان نذیریت ہے۔ نذیر کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ڈرانے کا معنی یہ ہے کہ جس کام کی نسبت یہ نبی اکرم ﷺ فرما دے کہ یہ کام برا ہے اسے نہ کرو، ورنہ دوزخ میں جاؤ گے۔ لہٰذا اس سے فوراً رک جاؤ۔ اگرچہ تم نے اس کام کا انجام نہیں دیکھا، دوزخ بھی تمہاری نظروں سے اوجھل ہے مگر بتانے والا چونکہ نذیر ہے، اسے شانِ نذیریت کے ساتھ بھیجا گیا ہے، اس لیے اس کے حکم سے سرتابی نہ کرو اور اسی کی بات مانو کیونکہ نجات اسی میں ہے۔

۵۔ شانِ داعی اِلی اللہ

حضور نبی اکرم ﷺ کی پانچویں شان داعی الی اللہ ہونا ہے۔ جس کا مطلب ہے: اللہ کی طرف بلانے والا۔ اس شان سے مانو کہ یہ نبی جس طرف بلائے اس طرف چل پڑو اور جس طرف سے روکے، رک جاؤ۔ دوڑائے تو دوڑ پڑو۔ تمہیں رلائے تو رو پڑو۔ ہنسائے تو ہنس پڑو۔ اٹھائے تو اٹھ جاؤ۔ بٹھائے تو بیٹھ جاؤ۔ کھلائے تو کھاؤ۔ پلائے تو پی لو۔ خلاصہ یہ کہ نبی ﷺ کی ذات کو مرکزِ دین بنا لو اور زندگی کے تمام امور میں اسی کے پیچھے چلو۔ چونکہ وہ اللہ کے اِذن سے اُسی کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف بھی جاؤ تو اسی کے بلاوے سے جاؤ، خود بخود نہ جاؤ، بھٹک جاؤ گے۔ میرے محبوب کے بلاوے کے پیچھے چلو گے تو رسائی پا جاؤ گے۔ گویا ﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ نبی ﷺ کے بلاوے کے بغیر اور نبی ﷺ کی شفقتوں کے بغیر کسی کو رب بھی نہیں ملتا۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ.[1]

(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف بلایئے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا وہ تمہارا رب نہیں ہے؟ ہمارا رب نہیں ہے؟ کبھی ہمیں بھی ایسا کہا کہ ان کے رب کی طرف بلاؤ؟ اگر کہا جاتا تو درست تھا یا نہیں؟ لیکن فرمایا: اپنے رب کی طرف بلا تاکہ یہ لوگ میری طرف آئیں اور مجھ کو ربِّ محمد ﷺ سمجھ کر آئیں۔ رب کو رب مانو مگر ربِّ محمد ﷺ سمجھ کر مانو تو پھر توحید ہے۔ اگر ربِّ محمد ﷺ کی نسبت کے بغیر مانو گے تو وحدانیت تو ہوسکتی ہے، توحید نہیں ہوسکتی۔ باری تعالیٰ بات تو اپنی کرتا ہے لیکن اپنے حبیب مکرّم محمد ﷺ کی نسبت سے کرتا ہے۔ جب کہ ہم اِس مغالطہ میں رہتے ہیں کہ نسبت ضروری نہیں ہوتی، باری تعالیٰ نسبتوں کا محتاج نہیں ہے؛ حالانکہ اُس کی اپنی سنت یہ ہے کہ اپنی بات بھی اپنے حبیب ﷺ کی نسبت سے کرتا ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟

یہ آیتِ کریمہ زبانِ حال سے جواب دیتی ہے کہ لوگو! تمہیں کیا خبر ہے! جس طرح 'رب' تنہا میں ہی ہوں اُسی طرح اس کائنات میں مربوب بھی فقط ایک ہی ہے اور وہ محمد ﷺ ہے۔ رب بھی ایک ہے اور اَصلاً مربوب بھی ایک ہے۔ رہ گئی یہ ساری کائنات، تو یہ ان کے وسیلے سے ہے اور ان کے فیضانِ نبوت کے اِجمال کی تفصیل ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ میں ایک نکتۂ محبت بھی ہے یعنی اے حبیب! رب تو سب کا ہوں مگر جو بات تمہارا رب کہلانے میں ہے وہ کسی اور کا رب کہلانے میں نہیں۔ جب میں سنتا ہوں کہ میں محمد (ﷺ) کا رب ہوں تو میری شانِ ربوبیت بھی جھوم جھوم جاتی ہے۔

قرآن کا یہ اُسلوب ہمیں جابجا ملتا ہے کیونکہ قرآن رب کی راہ بھی نسبتِ مصطفیٰ

---

(۱) النحل، ۱۶: ۱۲۵

ﷺ کے بغیر کبھی نہیں دکھاتا۔ اور جو کوئی حضور ﷺ کی نسبت کے بغیر رب کی راہ دکھائے کا دعویٰ کرے تو جان لیں کہ یہ قرآن کا اُسلوب نہیں اور یہ راہ رب کی راہ نہیں ہے۔

یہی اُسلوب سورۃ النساء میں یوں بیان ہوتا ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ. (۱)

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں۔

رب ذو الجلال نے اپنی قسم بھی کھائی تو وَعِزَّتِی وَجَلَالِی جیسے الفاظ نہیں فرمائے، بلکہ فرمایا: اے حبیب! آپ کے رب کی قسم۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ ط وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا (۲)

ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لیے) ممنوع اور بند نہیں ہے ۝

جب رب ذوالجلال نے پیدا فرمایا ہے تو مدد بھی کرنی ہے کیونکہ رب ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اے میرے حبیب! لوگوں کو بتا دو کہ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں مگر ساری کائنات کو جو رحمتیں مل رہی ہیں یہ عطائیں تیرے رب کی ہیں۔ کوئی اپنا حق نہ جتاتا پھرے کہ ہمارا اپنا حق تھا جو ہمیں مل گیا۔ نہیں! دینے والا تو رب ہی ہے لیکن دیتا نسبتِ مصطفیٰ سے ہے۔

---

(۱) النساء، ۴:۶۵

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷:۲۰

کوئی مانے یا نہ مانے اپنا تو یہی عقیدہ ہے
دیتا ہے خدا سب کو مگر صدقہ محمد کا

درِ مصطفیٰ ﷺ پر جھکو گے تو عطائیں قائم رہیں گی، منہ پھیر لو گے تو خالق کائنات بھی منہ پھیر لے گا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاںؒ نے فرمایا:

بخدا! خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام ﷡ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھے، حیاتِ ظاہری تھی، ان کو تو سب عطائیں حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے ملتی تھیں۔ اب چودہ سو سال گزر گئے، اب تو (معاذ اللہ) حضور نبی اکرم ﷺ زندہ نہیں رہے، لہٰذا آپ ﷺ کے واسطہ سے عنایات ہونا کیسے ممکن ہے! ربِ ذوالجلال عالم الغیب ہے، جو خیال پیدا بھی نہ ہوا ہو وہ پہلے سے جانتا ہے۔ اِسی لیے فرما دیا: اے حبیب! جو کچھ تمہیں مل چکا ہے تیرے رب کی عطا تھی۔ اور اگلوں کو بتا دو کہ قیامت تک آنے والوں کو جو کچھ بھی ملے گا وہ بھی تیرے رب کی عطا ہوگی۔ جو پچھلوں کو ملا محبوب! وہ بھی تیرے رب کا ہو کر ملا اور جو اگلوں کو ملے گا وہ بھی تیرے رب کا ہو کر ملے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبوت کی یہ پانچ شانیں ہیں۔ اگر ان پانچ شانوں کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آؤ تو ﴿بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے زُمرے میں داخل ہو جاؤ گے اور مومن بن جاؤ گے۔ قرآن کا بڑا سادہ اور سیدھا فیصلہ ہے۔ میری بات مانیں نہ علماء کرام کی بات مانیں بلکہ قرآن کی بات مانیں کیونکہ قرآن پر تو فیصلہ آسانی سے ہوسکتا ہے۔ یہاں ان آیات مبارکہ میں سیدھی سادھی ایمان کی راہ قرآن کے ذریعے بتائی جا رہی ہے۔ اگر مومن بننا چاہتے ہو تو حضور نبی اکرم ﷺ کو ان شانوں کے ساتھ مان لو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان فقط خود کو غلامیِ مصطفیٰ میں دے دینے کا نام ہے۔ اپنے گلے میں غلامیِ مصطفیٰ ﷺ کا پٹہ ڈال لینے کا نام ہے۔ خود کو حضور ﷺ کی ملکیت میں دے دینے کا

نام ہے۔ خود کو دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ پر جھکا دینے کا نام ہے۔ عقل و خرد کے چراغ بجھا کر حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پھرنے کا نام ایمان ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے گلی کوچوں میں کتوں کی طرح رونے پھرنے کا نام ایمان ہے۔ اِس کے سوا جو کچھ ہے وہ منافقت ہے، دجل ہے، فریب ہے اور دھوکا ہے۔ ایمان فقط یہ ہے کہ خود کو حضور نبی اکرم ﷺ کے سپرد کر دو۔ اس پر قرآن گواہ ہے۔

یہاں قرآنِ مجید کی ایک اور آیت مزید تشریح کے لیے پیش کرتا ہوں۔ یاد رکھ لیں! عقل و خرد کو چھوڑ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے غلام بن کر چلنا ہی ایمان کہلاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے بڑے واضح الفاظ میں فرما دیا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللهِ ط لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ. (۱)

اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں، اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفر کر دیا۔

قرآنِ مجید نے دوٹوک فیصلہ کر دیا کہ لوگو! جان لو، آگاہ ہو جاؤ کہ رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا قرآن کا یہ خطاب صرف صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا قیامت تک پوری اُمتِ مسلمہ کے لیے ہے؟ اگر صرف صحابہ کرام ﷺ کے لیے تھا اور اُمتِ مسلمہ کے ہر دور کے لیے نہ تھا تو پھر قرآن کا حکم اُمت کے لیے باقی نہ رہا کیونکہ فقہ کا مسلمہ اُصول ہے کہ اللہ کے خطاب سے حکم ثابت

---

(۱) الحجرات، ۴۹:۷

ہوتا ہے۔ اور اگر حکم کے لیے خطاب ہی نہ رہا تو حکم بھی باقی نہ رہا۔ آیہ زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جان لو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں۔ اب اس پر جھگڑا کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ موجود ہیں یا نہیں۔ اے نادان! اپنی بات بھی چھوڑ، ہماری بات بھی چھوڑ، قرآن پر فیصلہ کر لو۔ قرآن کہتا ہے کہ جان لو رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں رسول اللہ ﷺ تمہاری پیروی کرنے لگیں یا بہ الفاظ دیگر رسول ﷺ کا حکم تمہاری خواہشات کی مطابقت میں ہو یا رسول ﷺ تمہارے پیچھے چلیں تو کیا ہو؟ ﴿لَعَنِتُّمْ﴾ تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ یہ بیان فرما کر ان سے فرمایا: ﴿وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ﴾ لیکن تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین کر دیا، ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا۔

اب صدق و اخلاص اور غیر جانب داری سے سوچیں، نہ اُس کی سنیں اور نہ اِس کی سنیں، صرف قرآن پر فیصلہ کریں کہ یہاں ایمان کا معنی کیا ہے؟ قرآن مقدمہ پیش کر رہا ہے کہ پہلے یہ مانو کہ رسول ﷺ تم میں موجود ہیں اور پھر یہ مانو کہ عافیت آنکھیں بند کر کے یار کے پیچھے چلنے میں ہے اور فلاحِ دارین یار کے نقشِ قدم کو تلاش کرنے میں ہے۔

مجھے ہوش کب تھی رکوع کی، مجھے کیا خبر تھی سجود کی
ترے نقشِ پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

عافیت اِسی میں ہے کہ عقل و خرد کے چراغ بجھا کر حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے ہو جاؤ۔ یہ ماننا ایمان قرار پایا اور اسی ایمان سے تمہارے دلوں کو مزین کر دیا۔ تو ایمان کا معنی متعین ہوگیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات حاضر و موجود ہے اور عافیت عقل و خرد کے چراغ بجھا کر حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے چلنے میں ہے۔ جب تم نے یہ مان لیا تو ایمان آ گیا۔ اگر اس بات کا اعتقاد رکھو گے تو ایمان پر ہو اور اگر چھوڑ دو تو کفر ہے یا فسوق ہے یا گناہ ہے۔ قرآن مجید نے تینوں مقامات بیان کر دیے: کفر، فسوق، عصیان؛ یعنی اِتباع

رسول ﷺ کے سوا جو کچھ ہے، گم راہی ہے ایمان نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ہمیں سمجھا دیا کہ مومن وہ ہے کہ حضور ﷺ جو کہیں بن دیکھے مان لے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو ہر وقت سمجھے کہ مجھ سے باخبر ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ جدھر بلائیں دوڑ پڑے، جس سمت سے روکیں رک جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جائے تو اسی پہچان سے جائے۔

جو شخص سورۃ الاحزاب کی آیات نمبر ۴۵ اور ۴۶ میں مذکور اِن پانچ شرائط کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانتا ہے وہی مومن ہے۔

۶۔ شانِ سراجِ منیر

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۷ میں فرمایا:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا○

اور اَہلِ ایمان کو اس بات کی بشارت دے دیں کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس خاتم الانبیاء کی نسبتِ غلامی میں ہیں)○

جو ایمان کی ایسی نسبت حبیبِ خدا سے استوار کر لیتے ہیں تو پھر انہیں فضلِ کبیر یعنی بڑے فضل کی خیرات ملتی ہے۔ وہ خیرات کہاں سے ملتی ہے؟

سورۃ الاحزاب کی آیات نمبر ۴۵ اور ۴۶ میں پانچ صفات بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: ﴿وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا○﴾ یعنی محبوب! پانچ صفات دے کر تمہیں چمکتا ہوا سورج بنا دیا، نور بکھیرتا ہوا چراغ بنا دیا۔ گویا اُدھر سراجِ منیر بنایا اور اِدھر ایسے مومن کا سینہ اُس چراغِ منیر سے منور کر کے فضلِ کبیر عطا کر دیا۔ جو اپنی نسبت حضور نبی اکرم ﷺ سے قائم کر لے اُسے چراغِ مصطفوی کا نور ملتا ہے اور سراجِ نورِ نبوت سے اپنے آپ کو مستنیر کرتا ہے اور جسے حضور نبی اکرم ﷺ کے سینے کا نور ملنا شروع ہو جائے تو اُسی نور کو

فضلِ کبیر (اللہ کا بڑا فضل) کہتے ہیں۔

آ گاہ ہوجائیں! ہمیشہ نبی کی نسبت سے اللہ کا فضل ملتا ہے۔ پہلی اُمتوں کو اپنے انبیاء ﷺ کی نسبت سے اللہ کا فضل ملا مگر فرق یہ ہے کہ وہ پہلی اُمتوں کے نبی تھے، یہ ساری کائنات کے نبی ﷺ ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ اُن انبیاء کی نسبت جن کو ملی اُنہیں اللہ کا محض فضل ملا اور جن کو حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ملی اُنہیں فضل کبیر ملا۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

حضرت سلیمان ﷺ کے دربار میں نبوتِ سلیمانی سے نسبت رکھنے والا شخص اٹھا، جس کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ.(۱)

(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے)۔

آنکھ جھپکنے سے پہلے ہزاروں میلوں کی مسافت سے ملکہ سبا کا تخت لا کر حضرت سلیمان ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا۔ کیا آپ سیکڑوں میل کی مسافت سے آنکھ جھپکنے میں غائب ہوسکتے ہیں؟ آنکھ جھپکنے میں آپ بیٹھے ہوئے اٹھ بھی نہیں سکتے۔ مگر یہاں سیکڑوں میل کی مسافت طے ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوتِ سلیمان کی نسبت رکھنے والا آنکھ جھپکنے میں یہاں بھی موجود تھا، وہاں بھی موجود تھا۔ جب تخت آ گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ یہ میرے رب کا فضل ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ بڑا فضل ہے؛ مگر جب نبوتِ مصطفوی کی نسبت کی باری آئی تو فرمایا:

---

(۱) النمل، ۲۷: ۴۰

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا○[1]

اور اَہلِ ایمان کو اِس بات کی بشارت دے دیں کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس خاتم الانبیاء کی نسبتِ غلامی میں ہیں)○

وہاں صرف فضل ہے، یہاں فضلِ کبیر ہے۔ وہاں فضل کا اِعلان اُمتی کر رہا ہے اور یہاں فضلِ کبیر کا اعلان خود ربِّ ذو الجلال کر رہا ہے۔ جس طرح اُن انبیاء کرام علیہم السلام کے مدارج اور مراتب میں فرق ہے اُسی طرح ان نبوتوں کے مراتبِ فیض میں بھی فرق ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ مراتب نبوت کے بارے میں ایک لطیف نکتہ بیان کرتے ہوئے کشف المحجوب میں محادثہ اور مسامرہ کے فرق میں بیان کرتے ہیں کہ محادثہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی لمحے رب سے ملے اور رب کی معیت کا مقام پائے اور یہ دن کا وقت ہو تو یہ محادثہ ہے۔ اور جو کوئی رب کی معیت رات کے وقت پائے تو مسامرہ ہے۔ مگر فرق یہ ہے، حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ محادثہ پہلے نبیوں کا مقام ہے اور مسامرہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام ہے۔[2] صاحبِ محادثہ اِلتجا کرتا ہے کہ باری تعالیٰ تیری بارگاہ میں آنا چاہتا ہوں تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے پاس آنا چاہتا ہے تو پہلے چالیس روزے رکھ پھر میرے طور پر آ۔ تو صاحبِ محادثہ چالیس دن انتظار کرنے کے بعد جب طُور پر جاتا ہے تو رب ہم کلام ہوتا ہے۔ شیرینیِ کلام سے اس کا دل مچل جاتا ہے۔ اس وقت صاحبِ محادثہ آرزو کرتا ہے کہ اے کلام کرنے والے حسین! ایک پردہ اٹھا کہ دیدار کی جھلک بھی نصیب ہو جائے۔ وہ اپنی عرض یوں پیش کرتا ہے:

رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ.[3]

اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں۔

---

(۱) الأحزاب، ۳۳:۴۷

(۲) علی ہجویری، کشف المحجوب، ۵۴۹-۵۵۰

(۳) الأعراف، ۷:۱۴۳

صاحبِ محادثہ کو ندا آتی ہے: ﴿لَنْ تَرٰنِیْ﴾ تم مجھے (براہِ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے۔ یعنی صاحبِ محادثہ کا مقام فقط کلام تک ہے، نظارے کا نہیں۔

حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ صاحبِ مسامرہ رات کو بستر پر سوئے ہوتے ہیں تو انہیں پیغامبر بھیج کر بلایا جاتا ہے۔ گویا صاحبِ محادثہ خود آتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِيْقَاتِنَا.(۱)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے (مقرر کردہ) وقت پر حاضر ہوا۔

جب کہ صاحبِ مسامرہ کے بارے میں فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ.(۲)

وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو لے گئی۔

جس طرح نبوتوں کے مراتب میں فرق ہے اُسی طرح ان کے فیضانِ نبوت میں بھی فرق ہے۔ وہ اولیاء جو بنی اسرائیل کی اُمت کے اولیاء تھے اگر چشمِ زدن میں کئی جگہوں پر ہوسکتے ہیں تو یہ داتا گنج بخش، غوث پاک، خواجہ اجمیر اور اولیاءِ اُمتِ مصطفوی - جنہیں فضلِ کبیر عطا ہوا - جب ان کی نسبت قائم ہوئی تو یہ بھی چشمِ زدن میں اپنے غلاموں کو فیض دینے کے لیے کائنات کے گوشے گوشے میں جاسکتے ہیں۔ جہاں تک ان کے فیض کا تعلق ہے تو آپ جہاں بھی ہوں ان کے فیض پہنچنے میں تاخیر نہیں۔ ہر جگہ توجہات آپ کے سینے کو منور کرسکتی ہیں مگر جب کسی پر کرم ہوتا ہے تو اسے بلایا جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت سے جب اس طرح کا تعلق قائم ہو جائے اور بندہ ایسا مومنِ حق اور مردِ مومن بن جائے تو پھر اس پر فضلِ کبیر کی بارشیں نازل ہوتی ہیں تو اس

(۱) الأعراف، ۷:۱۴۳

(۲) بنی إسرائیل، ۱۷:۱

کے پردے اٹھا دیے جاتے ہیں، حجابات مرتفع کر دیے جاتے ہیں، قرب و بُعد کی مسافتیں ختم کر دی جاتی ہیں، دوریاں مٹ جاتی ہیں تو پھر وہ اللہ کا بندہ فضلِ کبیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ جس وقت چاہتا ہے اس کی نگاہ کام کرتی ہے کیونکہ اس کا سینہ نورِ مصطفیٰ ﷺ سے منور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید نے فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ.(۱)

بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہو جاتا ہے۔

اور جسے یہ نورِ مصطفیٰ ﷺ نصیب ہو جائے اور جو مردِ ولی اس فیضان سے بہرہ ور ہو جائے تو اس کے بارے میں حضرت شیخ روز بہان بقلی شیرازیؒ فرماتے ہیں:

فَيَرَوْنَ الْحَقَّ بِنُوْرِ الْحَقِّ، وَيَرَوْنَ مَا دُوْنَ الْحَقَّ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الثَّرٰى بِنُوْرِهٖ.(۲)

مومن شخص، حق کا اور حق کے علاوہ عرش سے تحت الثریٰ تک کا بھی اسی نور سے مشاہدہ کرتا ہے۔

وہ رب کے نورِ اُلوہیت سے اور مصطفیٰ ﷺ کے نورِ نبوت سے ایسا منور ہو جاتا ہے کہ وہ اس نور کی نگاہ سے رب کا صفاتی جلوہ کرتا ہے اور رب کے سوا عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر شے کو دیکھتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت عطا کرے، ان اولیاء کرام کی نسبت سے وہ فیض عطا کرے کہ ہم بھی ﴿فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ سے حصہ حاصل کرنے کے قابل ہوسکیں۔ (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

---

(۱) الزمر، ۳۹:۲۲

(۲) روز بہان بقلی، عرائس البیان فی حقائق القرآن، ۳:۲۰۹